

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

شان الوہیت

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا فرمایا اور اس کے ذرہ ذرہ میں اپنی ذات اور صفات پر علامات اور نشانیاں رکھیں، پھر انسان کی عقل میں ایسا نور پیدا کیا جس کی وجہ سے وہ ان نشانیوں کے ذریعہ سے صاحب نشان تک پہنچ سکے معرفت عقل کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی طرف عقل انسانی کی، رہنمائی کی وجود باری پر ٹھوس شواہد اور ثبوت مہیا کئے، آسان، سادہ اور فطری دلیلوں سے انسانی ذہن کو مستخر کیا اور اعجاز آفریں بیان سے انسان کے دل و دماغ کو اس درجہ متاثر کیا کہ وہ بارگاہ الوہیت کے سامنے تصدیق و تسلیم کے ساتھ بے اختیار جھک گیا، نبوت اور رسالت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لئے کتب اور صحائف بھی نازل کئے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات کی معرفت کے علاوہ انسان کی اخروی سعادت اور اس کی دنیاوی زندگی کے لئے ایک جامع اور مربوط نظام کے اصول اور قواعد بیان فرمائے، اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے وہ نہیں چاہتا کہ انسان گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتا پھرے اور قدرت کی دی ہوئی صلاحیتوں کو شیطان کی زہر آفرینیوں سے ضائع کر دے، وہ ہر زاویے اور ہر رخ سے انسان کو اپنی طرف بلاتا ہے، سورج کے طلوع و غروب، گردش لیل و نہار، موت و حیات کے حدوث اور تکلیف و راحت کے توازن میں اس نے انسانی ذہن کی سوچ کے دھاروں کا رخ اپنی ذات کی طرف موڑنے کے لئے ہدایت کا سامان کر رکھا ہے، وہ آسمان و زمین کے حقائق و آثار اور بدلتے ہوئے حالات میں غور و فکر کی قوت دیتا ہے تاکہ کسی طور سے انسان کج روی سے باز آئے، اپنے خالق کو پہچانے، اس کی نعمتوں کا اعتراف کرے اور اس کے بے اندازہ لطف و کرم کے احساس سے ممنون ہو کر سجدہ سپاس بجالائے، ہم آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ذات اس کی وحدانیت اور اس کی قدرت و حکمت پر چند شواہد پیش کرتے ہیں:

انقطاع اسباب سے استدلال

ہمارے مشاہدات اور تجربات سے یہ امر یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہے کہ ہر چیز اپنے وجود میں کسی علت اور سبب کی محتاج ہے اور اس عالم آب و گل کوئی شے بغیر سبب کے ظہور پذیر نہیں ہوتی اور جب ہر ممکن کا ایک سبب ہوتا ہے اور اس سبب کا پھر کوئی سبب ہوتا ہے علیٰ ہذا القیاس، اگر یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے تو اور مسببات کا ایک غیر متناہی سلسلہ لازم آئے گا اور امور غیر متناہی کا سلسلہ عقلاً محال ہے؛ اس لئے لازماً ماننا پڑے گا کہ اسباب کا سلسلہ اخیر میں جا کر کسی ایسے سبب پر ختم ہو جاتا ہے جو اپنے وجود میں کسی اور سبب سے مستغنی ہے اور جب یہ وجود علت اور سبب سے مستغنی ہے تو ضروری ہوا کہ یہ وجود امکان اور احتیاج کے نقص سے پاک ہو؛ کیونکہ ہر ممکن کسی سبب اور علت کا محتاج ہوتا ہے؛ لہذا یہ وجود واجب قرار پایا جو بذاتہ موجود ہے اور تمام موجودات عالم کا موجد ہے۔

طبی خواص کی نفی سے استدلال

بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ اشیاء میں خواص ہوتے ہیں اور بغیر کسی سبب اور علت کے ان اشیاء سے وہ طبی خواص اور آثار صادر ہوتے ہیں مثلاً پتھر کو اچھالے تو وہ بغیر کسی سبب اور علت کے اوپر سے نیچے کی طرف چلا آئے گا؛ اس لیے ہو سکتا ہے کہ یہ ساری کائنات اسی طرح بغیر کسی سبب کے اپنے طبی تقاضوں سے وجود میں آئی ہو، امام رازی فرماتے ہیں کہ آپ ایک درخت کی طرف دیکھیں اس کا تنا بھی لکڑی کا ہے اور جڑیں بھی لکڑی کی ہیں، اور تنا اوپر کی طرف جاتا ہے اور جڑیں نیچے کی طرف جاتی ہیں، اب اگر لکڑی کی طبیعت کا تقاضا اوپر جانا ہے تو جڑیں نیچے کیوں جاتی ہیں؟ اور اگر اس کا تقاضا نیچے جانا ہے تو تنا اوپر کیوں جاتا ہے؟ معلوم ہوا کہ لکڑی کی اپنی طبیعت کا تقاضا کچھ نہیں ہے بلکہ درخت کی لکڑی پر کسی اور ذات کا تصرف ہے اور اس قادر قیوم نے درخت کی اس لکڑی کے جس حصہ کو چاہا اوپر اٹھا دیا اور جس حصہ کو چاہا نیچے جھکا دیا۔

شہوت سے استدلال

امام شافعی ایک شہوت کے درخت کے سامنے کھڑے تھے، کسی نے ان سے وجود باری کے

بارے میں سوال کیا کہ آپ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے وجود پر کیا دلیل ہے؟ امام شافعی نے فرمایا: اس شہوت کے درخت کو دیکھ لو اس کے پتوں کو اگر بکریاں چریں تو دودھ حاصل ہوتا ہے اور شہد کی مکھی ان پتوں کو چاٹ لے تو شہد بنتا ہے، ریشم کا کیڑا ان پتوں کو کھالے تو اس سے ریشم حاصل ہوتا ہے اور اگر ہرن ان کو کھالے تو اس سے مشک حاصل ہوتا ہے اور ان چاروں چیزوں کے حقائق اور آثار مختلف ہیں اور شہوت کے پتوں کا تقاضا ایک ہی ہو سکتا ہے؛ کیونکہ طبیعت واحدہ کا تقاضا بھی واحد ہوتا ہے پس اگر ان پتوں کی طبیعت کا تقاضا دودھ ہے تو اس سے ریشم، شہد اور دودھ کس طرح حاصل ہوا؟ اور اگر ان کی طبیعت کا تقاضا ریشم ہے تو ان سے مشک، شہد اور دودھ کس طرح حاصل ہوا؟ معلوم ہوا کہ یہ پتے اپنی ذات میں کسی چیز کا تقاضا نہیں رکھتے؛ اصل میں ان تمام اشیاء کا خالق اور موجد اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ ہے وہ چاہے تو شہد کی مکھیوں سے ان پتوں کو چسوا کر ان کو شہد بنا دے اور چاہے تو ہرن کو یہ پتے کھلا کر اس کو مکھی کی ہوتی مشک میں تبدیل کر دے اور اگر چاہے تو ان پتوں کو ریشم کے کیڑوں کی خوراک بنا کر اس سے ریشم بنا دے، اس کائنات کی حقیقتوں میں سے آپ جس حقیقت پر بھی غور کریں گے یہی منکشف ہوگا کہ ہر حقیقت کے پیچھے اسی موثر حقیقی کا دستِ غیب کار فرما ہے اور بظاہر نظر آنے والے سارے اسباب ایک حجاب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے۔

لیموں سے استدلال

لیموں کو دیکھئے اس کا چھلکا گرم خشک ہوتا ہے اور اس کا گودا گرم تر ہوتا ہے اور اس کا عرق سرد خشک ہوتا ہے اور لیموں کے یہ تمام مختلف آثار اس کے واحد بیج میں ہوتے ہیں اور اس بیج کی طبیعت کا تقاضا بھی ایک ہونا چاہیے لیکن اس بیج سے جب لیموں کا پھل پک کر سامنے آیا تو اس میں گرم خشک، گرم تر اور سرد خشک سب قسم کے آثار موجود تھے اس سے معلوم ہوا کہ یہ سلسلہ موجودات طبعی آثار کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ایک زبردست حکیم مطلق اور قادرِ قیوم کی قدرت و حکمت کا نتیجہ ہے کہ وہ چاہے تو گرم خشک بیج سے سرد تر پھل پیدا کر دے اور چاہے تو سرد تر بیج سے گرم خشک پھل کو وجود میں لے آئے۔

زرعی پیداوار سے استدلال

سلسلہ پیداوار کو دیکھئے ہم ایک دانہ گندم کو زمین میں دبا کر چلے آتے ہیں پھر وہ کونسی طاقت ہے جو اس دانہ گندم کو پھاڑ کر اس سے باریک کونپل نکالتی ہے اور وہ اس قدر باریک اور نازک ہوتی ہے کہ اگر ہم اس کو ہاتھ میں لے کر مسل ڈالیں تو ختم ہو جائے پھر اس کونپل کو اس قدر شگفتی اور قوت کون دیتا ہے کہ وہ سخت سے سخت زمین کا سینہ چیر کر زمین کے اندر جا کر اپنی مستحکم جڑیں بنا لیتی ہے، پھر شبنم کے قطرے اور نسیمِ سحر کے نرم و نازک جھونکے اس میں بالیدگی پیدا کرتے ہیں، سورج کی کرنیں اس میں بچھتی لاتی ہیں اور وقت مقررہ پر ہونے والی بارشیں اس میں ہریالی پیدا کرتی ہیں، چاند کی کرنیں اس میں ذائقہ لاتی ہیں اور سورج کی تیز دھوپ اس فصل کا قوام تیار کر کے اسے مکمل کرتی ہے اور فصل کٹ جانے کے بعد تند و تیز آندھیاں دانہ کو بھوسہ سے الگ کرنے کے لئے اہم رول ادا کرتی ہیں، سوچئے زمین و آسمان کی یہ تمام قوتیں اگر ہماری فصلوں میں اپنا اپنا رول ادا نہ کرتیں تو کیا ہم زمین سے ایک دانہ گندم بھی حاصل کر سکتے تھے پھر بیج بونے سے لے کر فصل کی کٹائی تک اس مربوط نظام کو کون چلا رہا ہے؟ کیا کسی بے جان بُت نے یہ نظام وضع کیا ہے؟ یا نظامِ شمس کے پابند سیارے یہ نظام چلا رہے ہیں اور جب ہم سمجھتے ہیں کہ عناصر کائنات میں سے کوئی چیز اس نظام کی واضع اور اس پیداوار کی خالق نہیں ہے اور نہ ہی یہ عقلِ بادر کر سکتی ہے کہ کسی ناظم کے بغیر کوئی نظام عمل میں آجائے یا کسی مقتن کی بغیر کوئی قانون تشکیل پا جائے یا کسی خالق کے بغیر کوئی مخلوق وجود میں آجائے تو پھر کیوں نہیں مان لیتے کہ اس کائنات کے ماوراء ایک زبردست حکیم اور قادرِ قیوم کی ذات فرمانروا ہے جس کی عجیب و غریب حکمت اور زبردست طاقت سے زرعی پیداوار کا یہ سارا سلسلہ رواں دواں ہے؛ اسی لئے وہ فرماتا ہے: ﴿أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ۝ أَلَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ۝ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفْغَهُهُ ۝ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝﴾ [الواقعة: ۶۳، ۶۷]۔

ترجمہ: بھلا بتاؤ تو سہی تم جو کچھ زمین میں بو کر آتے ہو اس کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگاتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اس فصل کو بالکل ملیا میٹ کر دیں اور تم کفِ افسوس مل کر یہ کہتے رہ جاؤ ہم پر اچانک آفت

آپڑی یا ہم بالکل محروم ہو گئے۔

ایک اور زاویہ سے دیکھئے کہ غلہ کی مختلف اجناس کا ہر سال ایک معین موسم میں پیدا ہونا اور پھلدار درختوں کی مختلف اقسام کا ہر سال اپنے اپنے موسم میں پھل لانا اور پھولوں سے لدے ہوئے پودوں اور درختوں میں ہمیشہ اپنے مقررہ ایام میں کلیوں کا کھلنا اور پھولوں کا مہکنا اور ہر نوع کے بیج سے اسی نوع کے پھل، پھول اور غلہ کا پیدا ہونا کیا ان تمام مقررہ اور منضبط امور سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ زرعی پیداوار کا یہ عظیم سلسلہ کوئی امر اتفاق نہیں ہے اور نہ از خود بغیر کسی صانع کے یہ نظام خود بخود چل رہا ہے اور نہ ہی یہ نظام متعدد شرکاء کی تخلیق کا مرہون منت ہے بلکہ اس وسیع زرعی نظام کے پیچھے خلاق واحد کا دست قدرت کار فرما ہے جو فیاض اور جواد بھی ہے اور حکیم و قدیر بھی۔ اگر کوئی شخص اس کے وجود اس کی وحدانیت کا انکار کرتا ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ پھول ہمیشہ ایک موسم میں کیوں کھلتے ہیں، غلہ اور پھول کی پیداوار میں ہمیشہ ایک مخصوص موسم اور ماحول کا اعتبار کیوں ہوتا ہے اور گندم کے بیج سے چاول، اخروٹ کے بیج سے اناس کیوں پیدا نہیں ہو جاتا؟ الحاد، شرک اور دہریت کی بنیاد پر کوئی شخص ان سوالوں کا معقول جواب نہیں دے سکتا اور جو شخص اپنی ذہنی توانائیوں کو ضائع نہیں کر چکا اس کو لامحالہ یہ کہنا پڑے گا کہ زرعی پیداوار کے اس مربوط نظام میں تسلسل، انضباط اور باقاعدگی یونہی ہی کوئی امر اتفاق نہیں ہے، نہ متعدد شرکاء کی کوشش کا ثمرہ ہے بلکہ زرعی پیداوار کا یہ وسیع اور پر حکمت سلسلہ اس خلاق واحد کی قدرت، حکمت اور فیاضی کا منہ بولتا شاہکار ہے

ڈارون کے نظریہ کا ابطال

نطفہ کا ایک قطرہ جو علقہ، مضغہ اور دوسرے تخلیقی مراحل طے کر کے صورت انسانی میں ڈھل کر ماں کی گود میں دمکتا ہوا آپہنچا ہے کیا نطفہ سے لے کر اس پیکر انسانی تک کی تمام منزلیں اس نے خود بخود طے کر لی ہیں، کسی انسان کا خود بخود بن جانا تو بہت بڑی بات ہے اس عالم اسباب میں تو یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ اگر یہ بنایا انسان کبھی کسی حادثہ یا بیماری سے بگڑ جائے تو بغیر کسی خارجی عمل کے وہ خود بخود ڈھیک ہو جائے تو سوچئے کہ جو چیز بننے کے بعد خود بخود ڈھیک نہیں ہو سکتی وہ ابتداء خود بخود بن

کیسے سکتی ہے؟! غلط کہتا ہے وہ شخص جس نے دعویٰ کیا ہے کہ انسان کیڑے مکوڑے کے مراحل طے کرتا ہوا بندرتک آپہنچا اور پھر اس بندر نے ارتقائی منازل طے کر کے انسانی شکل اختیار کر لی، اولاً تو کیڑے مکوڑے بھی خود بخود نہیں پیدا ہوتے اور ثانیاً یہ کہ اس ترقی یافتہ دور میں ہزار ہا سائنسی اور کیمیائی ترکیبیں استعمال کرنے کے باوجود آج تک بندر کو انسان کا بدل بنا کر پیش نہیں کیا جا سکا تو اب سے لاکھوں سال پہلے جب موجودہ علم اور سائنس کا نام و نشان تک بھی نہ تھا اس وقت بندر کس فارمولے پر عمل کر کے انسان بن گیا اور وہ فارمولا اب کہاں گم ہو گیا؟! اس لیے لامحالہ کہنا پڑے گا کہ انسان کی پیدائش کوئی اتفاق حادثہ نہیں ہے بلکہ وہ سرتاپا محض اس قادرِ قیوم کی قدرت اور حکمت کا ساختہ پرداختہ ہے۔

خلقت انسان سے استدلال

جب یہ ظاہر ہو چکا کہ انسان کو عدم سے وجود میں لانے والا خود وہ انسان نہیں ہے، نہ اس کے ماں باپ اس کے موجد ہیں؛ کیونکہ دنیا میں ایسی بے شمار مثالیں ہیں اور مردوزن کے اختلاط کے باوجود اولاد پیدا نہیں ہوتی اور نہ دنیا کے دوسرے انسان اس کے موجد ہیں؛ کیونکہ مشاہدہ شاہد ہے کہ آج تک کوئی انسان اپنے جیسا دوسرا انسان نہیں بنا سکا اور انسانی مراتب سے نیچے جو حیوانات اور اشجار اور دیگر اجسام کا عالم ہے وہ بھی اس کا موجد نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ یہ عالم تو انسان سے ارزل اور اس کی اغراض کے تابع ہے اور راسفل، اعلیٰ کا موجد کسی حال میں نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ یہ تمام سیارے ایک مقررہ نظام کے تحت گردش کر رہے ہیں اور ان کی گردش کی یہ یکسانیت بتلاتی ہے کہ یہ کسی کے بنائے ہوئے نظام عمل کے تابع ہیں، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس عالم امکانی میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو انسان کے موجد ہونے کی صالح اور دعویدار ہو تو ضروری ہوا کہ انسان کا موجد جسم اور جسمانیت سے خارج اور امکان اور حدوث کے عیب سے پاک ہو۔

انسانی تخلیق کے مراحل سے استدلال

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اس عالم اسباب میں انسان کی پیدائش مردوزن کے اختلاط سے

وجود میں آتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے اور حضرت حوا کو بغیر عورت کے حضرت آدم کو مرد اور عورت دونوں کے بغیر پیدا کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اس نے انسان کی تخلیق کے لئے مرد اور عورت کے اختلاط کو ایک عام سبب ضرور بنایا ہے لیکن اس کی عظیم قدرت ان تمام اسباب سے بالاتر ہے وہ چاہے تو مٹی کے ایک ڈھیر سے حضرت آدم جیسے عظیم الشان نبی کی تخلیق کر دے اور وہ چاہے تو نطفہ کی ایک حقیر بوند سے انسانوں کی پیدائش کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دے، اب سوچئے کہ نطفہ کی ایک بے جان بوند سے یہ جیتا جاگتا انسان کس طرح وجود میں آگیا؟ عملی تحقیقات اور سائنس کے روز افزوں تجربات کے باوجود سائنس دان آج تک کسی بے جان مادے سے کسی جاندار شے کو وجود میں نہیں لاسکے اب تک جو ثابت ہو چکا ہے وہ یہ ہے کہ نطفہ جو ہر حیات تو ہے لیکن خود زندگی سے خالی ہے پھر جو چیز خود حیات سے عاری ہو وہ ایک صاحب حیات کی موجد کیسے ہو سکتی ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ بیجان نطفہ کی یہ بوند اپنے اندر علم و ادراک اور قوت و توانائی کا وہ جوہر رکھتی ہے جس سے وہ ایک مکمل انسان کو صورت گری پر قادر ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ کیا انسان مکمل ہو جانے کے بعد اتنی طاقت رکھتا ہے کہ اپنے جسم کے بالوں میں سے کسی ایک بال کو ایک سے دوسری جگہ منتقل کر سکے تو جب یہ انسان مکمل اور طاقت ور ہونے کے باوجود اپنے اندر تغیر و تبدل کی قدرت نہیں رکھتا تو جس وقت یہ ایک حقیر نطفہ کی بوند کی شکل میں تھا اس وقت یہ اپنے اندر تغیر اور نشوونما کی شکتی کیسے رکھ سکتا تھا؟ اس لئے ماننا پڑے گا کہ انسان کی تخلیق اور تصویر و تشکیل میں اسی خلاق واحد کا دست قدرت کار فرما ہے، انسان کی تخلیق اس کے نطفہ میں موجود ایک انتہائی باریک جرثومہ سے ہوتی ہے اور جب مرد کا نطفہ عورت کے رحم تک پہنچتا ہے تو یہ جرثومہ عورت کے رحم میں کسی وقت اس نسوانی انڈے سے جا ملتا ہے جو اس جرثومہ کی طرح انتہائی باریک ہوتا ہے پھر ان دونوں کے امتزاج سے ایک باریک خلیہ بن جاتا ہے اور یہی خلیہ حیاتِ انسانی کا نقطہ آغاز ہے اور اس خلیہ کا وجود میں آ جانا ہی استقرار حمل کی علامت ہے پھر اللہ تعالیٰ اس خلیہ کو علقہ یعنی جمنے ہوئے خون کی شکل میں لاتا ہے پھر اس علقہ کو تدبیراً مضغہ یعنی گوشت کی ایک باریک بوٹی میں تبدیل کرتا ہے پھر اس گوشت کے ٹکڑے کی

صورت گری کی جاتی ہے اور گوشت کے اس ٹوٹھڑے کو انسانی اعضاء کے قالب میں ڈھال دیا جاتا ہے اور اس کو مرد یا عورت کی ساخت عطا کی جاتی ہے، استقرارِ حمل کے چار ماہ بعد اس میں روح ڈال دی جاتی ہے پھر عورت کے پیٹ میں اس کو غذا پہنچا کر اس کی جسامت بڑھائی جاتی ہے اور اس کے دماغ میں وہ تمام صلاحیتیں رکھی جاتی ہیں جن کے سبب سے وہ آگے چل کر اپنی زندگی میں تعلیم و تربیت اور ماحول کے زیر اثر کسی ڈاکٹر، انجینئر سیاست دان، عالم دین، ولی کامل، تاجر یا ایک جاہل مزدور اور بد معاش غنڈے کی شخصیت میں معاشرے کے اندر ابھرتا ہے، انسانی تخلیق کے ان تمام مراحل میں انسان کا صرف اتنا کام ہے کہ وہ اپنے نطفہ کو عورت کے رحم تک پہنچاتا ہے، اس کے بعد اس کے نطفہ سے ایک خاص جرثومہ کو نسوانی بیضہ سے کون ملاتا ہے؟ پھر اس امتزاج کو الگ الگ انسانی صورتوں کا لباس پہنا کر چار ماہ بعد اس میں روح کون پھونکتا ہے؟ اور یہ فیصلہ کرنا کس کا کام ہے کہ اس شخص کو سلیم الاعضاء بنانا ہے یا محتاج اور ابلہ؟ پھر اس کے ذہن اور دماغ میں مختلف شعبوں کی الگ الگ صلاحیتوں کو کون رکھتا ہے؟ اور نو ماہ تک ماں کے پیٹ میں اس کو مسلسل غذا اور نشوونما کا مادہ کون فراہم کرتا ہے؟ کیا یہ تمام کام خود وہ عورت کرتی ہے؟ یا کوئی ڈاکٹر اور حکیم اپنی ادویات سے اس عمل کو جاری رکھتا ہے؟ یا پھر یہ کسی سائنسدان کا شاہکار ہے؟ یا بے جان بُت جو خود سے بل بھی نہیں سکتے؟ وہ نطفہ کی ایک بوند کو جیتا جاگتا انسان بنادیتے ہیں؟ پھر آخر یہ کس کا کارنامہ ہے؟ کیا اب بھی عقل یہ فیصلہ نہیں کرتی کہ خدائے واحد کے سوا ان افعال کا اور کوئی خالق نہیں ہے اور اگر اب بھی کوئی شخص ڈھٹائی سے کہہ دے کہ خود بخود محض اتفاق سے یہ عمل ہو رہا ہے تو ہم یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ اگر تخلیق انسانی محض ایک اتفاقی حادثہ ہے تو اس میں ابتداء مرد اور عورت کے اختلاط کی قید کیوں ہے؟ محض ایک مرد یا صرف ایک عورت سے بچہ کیوں نہیں پیدا ہو جاتا اور تمام دنیا میں انسان کی پیدائش کے لئے ایک ہی ضابطہ کیوں مقرر ہے؟ ہمیشہ ایک مکمل بچہ پیدا ہونے کے لیے ایک تسلی بخش جواب نہیں دیا جاسکتا اس لئے اگر کوئی شخص عقل سے بالکل اندھا اور ہوش و حواس سے قطعاً عاری نہیں ہو چکا تو اسے لازماً کہنا پڑے گا کہ اس عالم کے مادراء ایک قادر و قاہر ہستی ہے جو خلاق اور جواد ہے

جس نے نسل انسانی کے ارتقاء کے لئے ایک سبب بنایا اور اس سبب میں اس قدر کشش رکھ دی کہ مرد اپنے شہوانی جذبات سے مغلوب ہو کر اپنا نطفہ عورت کے رحم تک پہنچا دے اور بس۔ غور کیجئے جو بچہ پیٹ سے باہر آ کر ہوا کے ایک جھونکے اور دودھ کی چند چسکیوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا وہ مسلسل نو ماہ تک ماہ تک ماں کے پیٹ میں ہوا، پانی اور خارجی غذا کے بغیر کیسے زندہ اور جیتا جاگتا رہا؟ ہم پوچھتے ہیں کہ انسان کی زندگی اور اس کی نشوونما کے لئے ہوا، پانی اور خارجی غذا موثر ہیں یا نہیں؟ اگر ان چیزوں کا اس کی زندگی میں کوئی دخل نہیں تو دنیا میں انسان ان چیزوں کے بغیر کیوں زندہ نہیں رہ سکتا اور اگر یہ چیزیں اس کی حیات اور بقاء میں موثر ہیں تو ان کے بغیر وہ ماں کے پیٹ میں کس طرح زندہ رہ سکا؟ معلوم ہوا کہ انسان کی تخلیق نہ کوئی اتفاقی حادثہ ہے، نہ طبیعت اور فطرت کا تقاضا ہے بلکہ وہ خالصۃ اللہ عزوجل کا ساختہ پر داختہ ہے، ظاہری اسباب محض حجاب ہیں اور موثر حقیقی وہی خالقِ لم یزل ہے وہ چاہے تو ماں کے پیٹ میں خارجی ہوا اور غذا کے بغیر حیات اور زندگی دیدے اور چاہے تو پیٹ کے باہر خارجی ہوا اور غذا اسے اس کو نشوونما عطا کر دے، وہ چاہے تو نطفہ کی ایک بوند سے جیتا جاگتا انسان کھڑا کر دے اور چاہے تو محض مٹی اور گارے سے ایک عظیم الشان انسان پیدا کر دے، کیا اس علم رنگ و بو اور وسیع کائنات میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ایسی ہستی ہے جو اپنی قدرت اور حکمت کے ایسے عجیب و غریب مظاہر دکھائے اور کیا اس صنایع فطرت کے ان عظیم کرشموں کے دیکھنے کے بعد بھی کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ یونہی اتفاقاً ہو رہا ہے اور تو الود و تناسل کے اس باقاعدہ متواتر اور مربوط نظام کے پیچھے کسی قادر و قیوم اور خلاق حقیقی کا ہاتھ کار فرما نہیں ہے؟!

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگا کہ میں شطرنج کے کھیل سے بڑا متعجب ہوتا ہوں کہ یہ کھیل ایک مربع فٹ تختہ کے ۶۴ خانوں میں کھیلا جاتا ہے اور اگر ان خانوں میں لاکھ مرتبہ بھی شطرنج کھیلی جائے تو ہر بازی مختلف ہوتی ہے۔ حضرت عمر فرمانے لگے: میں اس سے کہیں زیادہ بڑے امر پر تعجب کرتا ہوں کہ انسان کا چہرہ صرف بالشت بھر کا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ارب ہا ارب بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ چہرے پیدا کئے لیکن کوئی چہرہ دوسرے چہرے سے نہیں ملتا،

کسی کی آنکھ دوسرے کی آنکھ سے، ناک ناک سے، ہونٹ ہونٹ سے اور کان کان سے نہیں ملتے اور میں کہتا ہوں کہ چہرہ تو بہت دور کی بات ہے انسان کے ہاتھ دو ڈھائی انچ کا انگوٹھا ہے اور کسی انگوٹھے کی لکیریں دوسرے سے نہیں ملتیں بلکہ ایک ہی انسان کے دائیں انگوٹھے کی لکیریں بائیں انگوٹھے سے نہیں ملتیں ﴿فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ﴾ [المؤمنون: ۲۳]۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے: سبحان ہے وہ ذات جس نے چربی کی ایک بوٹی سے دکھایا، نرم ہڈی سے سُوایا اور گوشت کے ایک ٹکڑے کو گویا کر دیا، جو لوگ انسان کو محض ایک اتفاقی حادثہ سمجھتے ہیں وہ اس بات کی کیا توجیہ کریں گے کہ انسان کے جسم میں ہر جگہ گوشت ہے پھر بولنے کا خاصہ صرف زبان میں کیوں ہے؟ اور کیوں ضروری ہے کہ دیکھنے کے لئے صرف آنکھیں مخصوص ہیں؟ جسم کے کسی اور حصہ کی چربی بینائی کا آلہ کیوں نہیں بن جاتی؟ اس لئے اگر کوئی شخص محض ہٹ دھرمی پر نہیں اُتر آیا تو اس کو اقرار کرنا پڑے گا کہ انسان کی تخلیق نہ کوئی اتفاقی حادثہ ہے، نہ کسی فطری ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے بلکہ وہ مکمل طور پر اس خلاق واحد کی قدرت اور حکمت کا حسین شاہکار ہے۔

ماں کے دودھ سے استدلال

جب ایک عورت ماں بن جاتی ہے اور اس کی گود میں بچہ کھیلنے لگتا ہے تو اس کے سینے سے دودھ اُتر آتا ہے جو غذا وہ پہلے کھاتی تھی اب بھی وہی غذا کھاتی ہے نہ غذا میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے نہ کھانے والی میں کوئی تبدیلی ہوئی پھر یہ دودھ کہاں سے آگیا، اگر یہ غذا کا اثر تھا تو کسی اور شخص کے کھانے سے اس کے سینے میں دودھ کیوں نہیں اُترتا اور اگر اس عورت کی خاصیت ہے تو بچہ کی پیدائش سے پہلے اس کے سینے سے دودھ کیوں نہیں نکلا؟ معلوم ہوا کہ یہ اثر نہ غذا کا ہے، نہ غذا کھانے والی کا، یہ صرف اس قادر مطلق کی کار فرمائی ہے جو رنگ برنگ ترکاریوں کو خون کی رنگت دیتا ہے اور جب چاہتا ہے اس خون کو دودھ کی سفید دھاروں میں تبدیل کر دیتا ہے پھر ہمارے پاس کوئی ایسا خارجی عمل نہیں جس کے ذریعہ ہم ماں کے سینے سے جاری ہونے والے دودھ کو روک سکیں، مبداء فیاض کے نزدیک جب تک بچہ کو دودھ کی ضرورت ہوتی ہے وہ ماں کے سینہ میں دودھ اُتارتا رہتا ہے اور جب ضرورت ختم

ہو جاتی ہے تو دودھ کے جاری ہونے کا یہ سلسلہ اپنے آپ ختم ہو جاتا ہے کیا انسان کے جسمانی نظام میں اللہ کی ذات اور اس کی حکمت اور قدرت کی یہ بہترین نشانیاں نہیں ہیں؟!

جانوروں کے دودھ سے استدلال

جانوروں سے جو ہم دودھ حاصل کرتے ہیں یہ اس چارے سے حاصل ہوتا ہے جسے جانور کھاتے ہیں پھر جب جانوروں کی اوجھڑی میں یہ چارہ پہنچتا ہے تو اوجھڑی میں ہضم اول کا مرتبہ شروع ہوتا ہے، اوجھڑی کے اوپر کے حصہ میں خون اور نچلے میں گوہر اور درمیانی حصہ میں دودھ کا قوام تیار ہوتا ہے اور اس کے قوام کو اللہ تعالیٰ ہضم کے مختلف مراحل سے گزارتا ہوا جانوروں کے تھنوں تک پہنچا دیتا ہے، دودھ کے نیچے گندگی اور غلاظت ہے اور اس کے اوپر سرخ رنگ کا سیال خون دوڑ رہا ہے آخر وہ کونسی حقیقت ہے جو جانوروں کے پیٹ میں تصرف کر کے سرخ رنگ کے سیال خون اور بدبودار گوہر کے درمیان سے صاف سفید شیریں اور خوشبودار دودھ کو اس طرح باہر نکال لیتی ہے کہ نہ گوہر کا کوئی ذرہ اس میں داخل ہوتا ہے اور نہ خون کا کوئی قطرہ اس میں شامل ہوتا ہے؟ کیا یہ صاف اور پاکیزہ دودھ اس خالق کائنات کی طرف اشارہ نہیں کرتا جو فرماتا ہے: ﴿وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُّسْقِيكُم مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ﴾ [النحل: ۶۶]۔

ترجمہ: ان جانوروں میں تمہارے لئے غور و فکر کا موقع ہے ہم تم کو گوہر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے۔

دودھ کا یہ حصول چارہ کا طبعی خاصہ نہیں ہے ورنہ نہ جانور بھی یہی چارہ کھاتے ہیں اور ان سے دودھ کا کوئی قطرہ حاصل نہیں ہوتا اور نہ یہ مادہ جانور ہی کی طبعی خصوصیت ہے ورنہ ایام حمل میں یا اس سے پہلے بھی وہ دودھ دیتی رہے نہ بچہ کی خصوصیت ہے کیونکہ بچہ کے مرنے کے بعد بھی وہ ایک مدت معینہ تک دودھ دیتی رہتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ جانوروں سے دودھ کے حصول کے نظام میں چارہ، جانور، بچہ کوئی چیز مرکزی کردار ادا نہیں کرتی اس تمام مربوط نظام میں جو دودھ کے حصول کا سبب ہے وہ ایک ذات کا فرما ہے جو عالم کے ذرہ ذرہ میں اپنا تصرف فرما رہی ہے۔

نظام ہضم سے استدلال

انسان جو غذا کھاتا ہے وہ اس کے معدہ میں چلی جاتی ہے اور وہ وہاں اس کا ہضم اول شروع ہوتا ہے اس غذا کا جو صاف جوہر ہے وہ جگر کی طرف چلا جاتا ہے اور جو کثیف مادہ ہے وہ انتڑیوں کی طرف چلا جاتا ہے پھر جگر میں ہضم ثانی ہوتا ہے اور صاف جوہر جگر میں جا کر سودا، صفراء، خون اور پانی بن جاتا ہے پھر وہاں ان کی تقسیم شروع ہوتی ہے، صفراء پتہ کی طرف چلا جاتا ہے اور سودا تہی کی طرف چلا جاتا اور پانی گردہ کی طرف اور خون رگوں کی طرف چلا جاتا ہے اور وہاں ہضم ثالث کا عمل شروع ہوتا ہے اور حرارت غریزی سے اعضاء بدن کی جو صورت تحلیل ہوتی رہتی ہے، خون ان اعضاء میں پہنچ کر اس کے عوض اس عضو کی نئی صورت مہیا کرتا ہے، سوچئے! کیا یہ سب یونہی ہو رہا ہے؟ کھانے کے چند نوالوں سے جو خون گوشت اور ہڈیوں کی صورت نشوونما پا رہی ہے کیا یہ کسی عظیم حکمت اور زبردست قدرت کے زیر انتظام نہیں ہے؟!

انسانی نشوونما سے استدلال

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے جس طرح انسان کے جسم کی ساخت بنائی ہے اس میں متعدد کارآمد اعضاء رکھے ہیں پھر جو غذا ہم پانی اور کھانے کی شکل میں حاصل کرتے ہیں اس کا ایک ایک ذرہ وہ ان تمام اعضاء کو ان کی مخصوص جگہوں پر پہنچاتا ہے اور جس عضو کو جتنی توانائی کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس کو اتنی توانائی فراہم کرتا ہے اور اس طرح تدریجاً انسان کو اس کے طبعی ارتقاء تک پہنچاتا ہے، آپ سوچئے کہ انسان کے جسم میں اس سارے نظام کو کون چلا رہا ہے؟ کیا یہ نظام خود بخود چل رہا ہے؟ یہ تو ہو نہیں سکتا، یا کوئی مافوق الفطرت ہستی اس نظام کو چلا رہی ہے پھر وہ ہستی کیا سورج ہے؟ چاند ہے؟ پانی ہے؟ آگ ہے؟ پتھر ہے؟، جانور ہے؟ انسان ہے؟ کیا ہے؟! یہ تمام چیزیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے خود کسی کے بنائے ہوئے نظام کے تحت سرگرم عمل ہیں اور اس نظام کے پابند ہیں اور اس کے احکام کی اطاعت پر مجبور ہیں، عناصر ہوں یا کوکب زمین کی پہنائیاں ہوں یا افلاک کی بلندیاں، یہ سب ایک نپے تلے مقدر اور منضبط نظام کے تحت اپنے اپنے حصہ کا کام انجام دے رہے ہیں تو معلوم

ہوا کہ جس ذات نے ان تمام موجودات کو ایک نظام میں مربوط کیا ہوا ہے، وہی ذات انسانی جسم کی ساخت اور اس کی نشوونما کی خالق اور مربی ہے، سورج اور چاند اسی کے حکم سے طلوع ہوتے ہیں، دن اور رات کا سلسلہ اسی کے اشارہ ابرو سے وجود میں آتا ہے، سمندروں میں طوفان اسی کے حکم سے اٹھتے ہیں، اسی کے حکم سے بارشیں نازل ہوتی ہیں، اسی کے اذن سے کھیتیاں ہری ہری ہوتی ہیں، وہ نہ چاہے تو بادلوں سے پانی کا ایک قطرہ بھی نہ اترے اور کھیتیاں ویراں ہو جائیں اور زمین غلہ کا ایک دانہ بھی نہ اگا سکے اور انسانوں اور حیوانوں کو کھانے پینے کے لئے کوئی چیز نمل سکے اور یہ سب بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر مرجائیں۔

بیماری اور موت سے استدلال

صحت اور بیماری زندگی اور موت سب اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے اگر وہ کسی شخص کو بیمار کرنا چاہے تو ہم ہزار جتن کے باوجود اس کی صحت واپس نہیں لاسکتے، جب کہ اس جیسی بیماری کے ہزاروں مریض معمولی علاج سے شفا یاب ہو جاتے ہیں اور اس بیمار کے لئے بڑے سے بڑے ڈاکٹر اپنی تمام صلاحیتوں کو صرف کرنے کے باوجود اس کی صحت کو واپس نہیں لاسکتے اور بالآخر وہ شخص بیماری کے ایام گزارتا ہوا اس عالم سے رخصت ہو جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی زندگی کی ایک میعاد مقرر کی ہے اور جب کوئی انسان اپنی زندگی کے سانس پورے کر لیتا ہے تو خواہ وہ بادشاہ ہو یا فقیر، بڑے سے بڑا ڈاکٹر ہو یا ماہر طبیب، سائنسدان ہو یا فلسفی، اسے بہر حال اس وقت مرنا ہی پڑتا ہے، بڑی سے بڑی کوشش اور اہم سے اہم سائنسی عمل ہزار جتن کے باوجود مدت حیات پوری ہونے کے بعد اسے موت کے چنگل سے نہیں بچا سکتا، اگر اس عالم اسباب سے کوئی ماوراء ہستی نہیں ہے تو پھر وہ کون سی طاقت ہے جو کسی بیمار کو تندرستی سے اور مرنے والے کو زندگی سے ہم کنار ہونے نہیں دیتی؟ اس نظام کائنات میں تو ہر چیز خود ایک نظام کی پابند ہے، وہ کیسے کسی کو صحت اور زندگی سے روک سکتی ہے؟!۔

نظام کائنات کے ربط اور تسلسل سے

اس نظام کائنات پر غور کیجئے سورج ہر روز ایک مقررہ جہت سے طلوع ہوتا ہے اور ایک مقررہ جہت میں غروب ہو جاتا ہے، دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن، ہر سال اپنے اپنے موسموں میں کھیتوں کا پروان چڑھانا، پھولوں کا اپنے وقت میں کھلنا، تمام روئے زمین میں ایک خاص طریقہ سے انسانوں کا پیدا ہونا اور اس کے بعد ایک وقت مقرر پر انسان کا مر جانا، کیا یہ تمام سلسلہ کائنات ایک مقررہ اور مربوط نظام کے تحت جاری نہیں ہے؟ پھر کیا کوئی ہوشمند انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ تمام منضبط اور مربوط نظام بغیر کسی خالق اور ناظم کے خود بخود اپنے آپ عدم سے وجود میں آ گیا ہے۔

پانی کی فراہمی سے

پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہے، پانی کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا، سمندر کا پانی اس قدر کڑوا ہوتا ہے کہ اس کے چند گھوٹ بھی حلق سے نیچے نہیں اتارے جاسکتے پھر یہی پانی جب بخارات کی شکل میں طبقہ زمہریہ تک پہنچتا ہے اور موسلا دھار بادلوں سے ٹھنڈا میٹھا اور شفاف پانی بن کر برستا ہے تو وہ کون ہے؟ جو اس کڑوے پانی میں شکر گھول دیتا ہے، دریاؤں سے جو اکثر و بیشتر پانی حاصل ہوتا ہے وہ بھی بادل اور بارش کا فیضان ہوتا ہے اور پہاڑیوں کی بلند بانگ چوٹیوں پر جو برف جمی ہوتی ہے وہاں اس برف کو ان چوٹیوں پر کون جماتا ہے؟ کیا پہاڑوں کی چوٹیوں سے برفانی گھاٹیوں تک برف گرنے کا انتظام اور بادلوں کے ذریعہ پانی کی بہم رسانی کا نظام یونہی خود بخود وجود میں آ گیا ہے؟ جب کارپوریشن کا ایک مل بھی ایک مستری اور چند مزدوروں کے بغیر نہیں لگ سکتا تو پانی کی اس قدر عظیم الشان ترسیل کا انتظام کسی ایڈمنسٹریٹر کے بغیر کیسے ممکن ہے؟ پھر یہ کیسی معجزہ خیز بات ہوگی کہ کارپوریشن جو ایک محلہ کو ٹیکس لے کر پانی فراہم کرے اس کی نظامت کو تو ہم تسلیم کر لیں اور جو ساری دنیا کو بغیر کسی ٹیکس کے پانی مہیا کر رہا ہے، اس کے نظام اور اس کی قدرت کا ہم انکار کر دیں؟ جی تو وہ فرماتا ہے:

﴿اَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ۝ اَلَا اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ ۝ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ﴾ [الواقعه: ۶۸، ۶۹، ۷۰]۔

ترجمہ: کیا بادلوں سے پانی تم نے اتارا ہے یا ہم اتارنے والے ہیں اگر ہم چاہیں تو اس پانی کو اس قدر کڑوا کر دیں کہ تم پی بھی نہ سکو پھر تم کیوں اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔

پانی کے حصول کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ زمین کے نیچے گہرائی میں پانی رکھا گیا ہے جس کو ہم ہینڈ پمپ اور ٹیوب ویل سے نکال کر اپنے کام میں لاتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اس پانی کو زمین کی تہہ میں کس نے رکھا ہے اور اتنے ہزاروں فٹ کی گہرائی میں جا کر رکھ بھی کون سکتا ہے؟ یہ بات تو وہی شخص کہہ سکے گا جو عقل و فہم سے بالکل عاری ہو کہ وہ پانی خود بخود وہاں موجود تھا، اس دنیا کے ہزاروں تجربات اور مشاہدات ہمیں بتاتے ہیں کہ یہاں خود بخود کچھ نہیں ہوتا، ایک کنسٹر میں بھی پانی خود بخود جمع نہیں ہوتا، زمین کی اتھاہ گہرائی میں ہزاروں مکعب فٹ پانی کس طرح جمع ہو سکتا ہے؟ جن علاقوں میں دریاؤں اور نہروں کا پانی بھی نہیں پہنچ سکتا، وہاں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے زمین کے اس پانی کو دریائی پانی کا بدل بنا دیا ہے اور خود فرماتا ہے:

﴿قُلْ اَرَأَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَأْتِيْكُمْ بِمَاءٍ مَّعِيْنٍ﴾ [الملک: ۳۰]۔

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ زمین کے پانی کو نیچے گہرائی میں دھنسا دے تو بتلاؤ! پھر تمہارے لئے کون پانی لے کر آئے گا۔

جس جگہ زمین کی گہرائیوں سے پانی نکالنے کی ضرورت تھی وہاں اسے زمین کے اندر گہرائیوں میں رکھا جہاں سخت پہاڑی اور پتھریلی زمینیں ہیں اور زمین کو کھودنا مشکل ہے اس نے وہاں پانی کے چشمے جاری کر دیے۔ کہیں برفانی چوٹیوں اور بادلوں کی لگاتار برسات سے دریاؤں کو رواں کر دیا کہیں کنوؤں اور ندیوں کا انتظام کر دیا غرض جس جگہ پانی کی بہم رسانی کی ضرورت جس طرح پوری ہو سکتی تھی اس طریقہ سے وہاں پانی کو پہنچایا، کیا پانی کی یہ حکیمانہ ترسیل کسی جلیل القدر حکیم اور زبر دست قادر اور عظیم خالق کے وجود کا تقاضا نہیں کرتی؟ کیا اب بھی کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ خلق خدا کی

ضرورت اور مصلحت کے مطابق ہر جگہ ان کے مقام کے مناسب یہ پانی خود بخود بغیر کسی پہنچانے والے کے پہنچ رہا ہے۔

نظام کائنات کے تناسب سے

زمین و آسمان کی پنہائیوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں کا ایک غیر متناہی سلسلہ قائم کیا ہوا ہے، کبھی سے لے کر ہاتھی تک دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک جسم کی ساخت اس کے حسب حال بنائی ہے، ہاتھی کے عظیم جثہ میں اس کی ضرورت کے جواعضاء پیدا کئے ہیں، وہ تمام اعضاء کبھی کی معمولی جسامت میں بھی موجود ہیں، حشرات الارض سے لے کر درندوں تک، چرندوں سے لے کر پرندوں تک جانوروں کی ہر نوع کو دیکھئے ہر جانور میں اس کی بے عیب خلقت اور عظیم حکمت کے آثار نظر آئیں گے پھر اس نے ہر جانور کی ایک غذا مقرر کی اور اس کو اپنی غذا کے حصول کے راستے اور اپنے سے بڑے جانوروں سے تحفظ کے طریقے سکھائے شمال مغربی سرد اور برفانی علاقوں کے جانور دل کو دیکھئے ان کے جسم پر لمبے لمبے اور گھنے اونی بال نظر آئیں گے، بالوں کی یہ افزائش ان کا علاقائی سردی سے تحفظ کرتی ہے اور مشرقی اور گرم علاقوں میں ان جانوروں پر یہ بال نہیں ہوتے کیونکہ اگر اس قدر گرم علاقوں میں ان پر یہ بال ہوں تو وہ گرمی سے جھلس کر رہ جائیں، اسی طرح ہر علاقہ کے رہنے والے انسانوں کے مزاج کو وہاں کے حسب حال بنایا ہے افریقہ اور اس جیسے گرم علاقوں میں رہنے والوں کا مزاج اس قسم کا بنایا ہے کہ وہاں کی شدید گرمی کو برداشت کر سکیں اور شمال مغربی علاقوں میں جہاں بے انتہا ٹھنڈ پڑتی ہے وہاں کے رہنے والوں کے مزاج میں اس سخت سردی کو سہارنے کا عنصر رکھا ہے یہ حکیمانہ تدبیر اور ہر مخلوق کی حسب حال رعایت اور یہ حسین عالمی انتظام دیکھ کر کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ علم و حکمت کا یہ عجیب و غریب کارخانہ بغیر کسی چلانے والے کے از خود چل رہا ہے۔

کرن امید سے

امام جعفر صادق کی ایک بار ایک دہریہ سے ملاقات ہوئی جو جوہر باری تعالیٰ کا انکار کرتا تھا، آپ نے اس سے پوچھا: کیا کبھی تم سمندر میں کشتی میں سوار ہوئے ہو؟ اس نے کہا: ہاں، آپ نے پوچھا: کبھی

طوفان کا سامنا بھی کیا؟ اس نے کہا: ہاں، کشتی ٹوٹ پھوٹ گئی، ملاح ڈوب گیا اور لہروں کے تھپڑے مجھے ساحل تک لے آئے، آپ نے فرمایا: پہلے جب تو کشتی پر بیٹھا تھا تو تیرا اعتماد ملاح پر تھا اور جب ملاح طوفانی لہروں سے ڈوب گیا تو پھر تیرا اعتماد کشتی پر تھا اور جب کشتی ٹوٹ گئی اور تو ایک تختے کے سہارے بہنے لگا تو تیرا بھروسہ اس تختے پر تھا اور جب تختہ بھی تیرے ہاتھ سے نکل گیا اور تو محض لہروں کے رحم و کرم پر بہہ رہا تھا اور طوفانی لہریں تجھے غرقاب کر رہی تھیں اس وقت تیرا کیا خیال تھا کہ یہ لہریں تجھے غرق کر دیں گی یا اس وقت بھی تیرے دل میں امید کی کوئی کرن باقی تھی؟ وہ کہنے لگا: میں اس وقت بھی پُر امید تھا کہ شاید سلامتی سے نکل آؤں۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اب جبکہ سہارے ایک ایک کر کے سارے ختم ہو جائیں اس وقت جس ذات سے امید قائم ہوتی ہے اور بے چارگی کے لامتناہی اندھیروں میں جس ذات سے مدد کی، اسے بچا لیا اسی کی یہ شان ہے، کہ انسان جب چاروں طرف سے مایوسیوں میں گھر جاتا ہے اور اسے امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ عنقریب اپنی مصیبتوں اور تکلیفوں میں گھر کر ختم ہو جائے گا تو اچانک وہ غیب سے اس کی سلامتی کے اسباب پیدا کر دیتا ہے، اسی لئے اس نے فرمایا ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ﴾ [الشوری: ۲۸]

ترجمہ: وہ ذات جو لوگوں کے مایوس ہونے کے بعد اچانک موسلا دھار بارش نازل فرما دیتی ہے اور اپنی رحمت کو عام کر دیتی ہے وہی لوگوں کے کام بنانے والی اور قابل ستائش ہے۔

مایوسی کے وقت مشرکوں کے رجوع الی اللہ سے

جب انسان مصیبتوں کے جنجال میں پھنس جاتا ہے اور اسے نجات کو کوئی راستہ نہیں ملتا اس وقت کڑے سے کڑکا فر بھی اللہ کی طرف رجوع کر لیتا ہے، جب خشکی اور تری کے سفروں میں لوگ بتلائے آفات ہو کر پریشان ہو جاتے ہیں اور ایسی شدید صعوبتیں اور ہولناک طوفان پیش آتے ہیں جن سے ذہن پریشان، دل مضطرب اور بدن کا رُواں رُواں خوف سے کانپنے لگتا ہے ایسے ہولناک سفر میں بت پرست اور ضدی سے ضدی مشرک بھی اپنے بتوں کو بھول جاتا ہے اور بڑے سے بڑا دہر

یہ بھی اپنے الحاد سے توبہ کر لیتا ہے اور ان تمام لوگوں کو اس وقت اپنے عقیدہ سے تراشے ہوئے سارے باطل خدا ٹوٹتے ہوئے نظر آتے ہیں اس وقت انہیں خدائے واحد کے سوا کسی کے دامن میں پناہ نظر نہیں آتی اور چارونا چار سب کے سب اسی اللہ کے حضور گڑ گڑاتے ہیں اور ہر شخص اس کی رحمت کے سامنے دامن پھیلا دیتا ہے اور رو کر کہتا ہے اے احکم الحاکمین! اور اے سارے جہاں کے رب اگر تو نے اس بار ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دی تو پھر ہم الحاد اور شرک کو چھوڑ کر صرف تیری بندگی بجالائیں گے اور جب اللہ تعالیٰ ان کو مصیبت کے اس بھنور سے سلامتی کے ساتھ نکال لاتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے احسان کو یکسر فراموش کر کے پھر الحاد اور شرک کے گڑھوں میں جا گرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس حالت کا نقشہ کھینچتا ہوا فرماتا ہے: ﴿قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً لَّئِنْ أَنْجَانَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ مُشْكِرُونَ﴾ [الأنعام: ۶۲، ۶۳]۔

ترجمہ: اے رسول آپ کہی وہ کون ہے جو تمہیں جنگلات اور سمندروں کی مصیبتوں سے نجات دیتا ہے جس کو تم آہستہ آہستہ اور گڑ گڑا کر پکارتے ہو کہ اگر وہ اس مرتبہ ہم کو مصیبت کے اس گرداب سے نکال دے تو ہم ضرور اس کا احسان مانیں گے، آپ کہیے کہ اللہ تعالیٰ تم کو صرف اس مصیبت سے ہی نہیں ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے لیکن مصائب سے چھٹکارا پانے کے بعد تم اس کا احسان فراموش کر کے شرک کی پستیوں میں جا گرتے ہیں۔

نفس انسان کی شہادت سے

مصائب اور پریشانیوں میں گھر جانے کے بعد ہر انسان فطری طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تصدیق ہوتی ہے: ﴿وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾ [الذاریات: ۲۰، ۲۱]۔

ترجمہ: یقین کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات پر زمین میں بھی نشانیاں ہیں اور ان کے اپنے نفسوں میں بھی کیا تم غور نہیں کرتے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کے نفس میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر شہادت اور دلیلیں موجود ہیں جن پر اس نے کفر، الحاد اور شرک کے پردے ڈالے ہوئے ہیں لیکن اس کی زندگی میں کبھی نہ کبھی کوئی ایسا موقع ضرور آتا ہے، ابو جہل کے بیٹے عکرمہ کی زندگی میں اسی شہادت سے انقلاب آیا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ کو فتح کر لیا تو عکرمہ نے جدہ کا رخ کیا اور ایک کشتی میں سوار ہو کر حبشہ جانے کا قصد کیا، راستہ میں سخت طوفان آیا اور کشتی طوفانی لہروں میں گھر گئی پہلے پہل تو تمام بت پرست اپنے اپنے بتوں اور دیوتاؤں کو پکارتے رہے مگر جب طوفان کی ہولناکیاں بڑھنے لگیں اور مسافروں کو یقین ہو گیا کہ اب کشتی ڈوب جائے گی، جب دیوتاؤں کی شکتی کا مان جاتا رہا تو سب بے اختیار پکارا اٹھے کہ اب سوائے اللہ کے اور کوئی بچانے والا نہیں ہے اور اب وقت آ گیا ہے کہ اس خدائے واحد کے دروازہ رحمت پر دستک دی جائے پھر سب نے مل کر بیک آواز اس کی رحمت کو پکارا اور گڑ گڑا کر دعائیں مانگنی شروع کر دیں عکرمہ کی زندگی میں یہ ایک انقلاب آفرین لمحہ تھا، انہوں نے سوچا کہ ان کے تصور کے تراشے ہوئے سارے بت بے حقیقت ہیں، ان کی بصیرت جاگی اور انہوں نے سوچا جو خدا یہاں ان کی کشتی کو طوفان کے گرداب سے نکال سکتا ہے، وہ درحقیقت خشک وتر ہر جگہ اپنے بندوں کی فریاد سنتا ہے اور ان کی مدد کرتا ہے اس وقت ان کی آنکھوں کے سامنے سے غفلت اور جہالت کے سارے پردے اٹھ گئے اور دل پر کفر و الحاد کے جس قدر حجاب پڑے ہوئے تھے یک لخت دور ہو گئے اور ان کے نفس میں جو تو حید کی شہادت مستور تھی وہ پوری قوت اور توانائی کے ساتھ ابھری اور انہوں نے اپنے دل میں عہد کیا اگر یہ کشتی اس طوفان سے نکل گئی تو میں سیدھا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں میں حاضر ہوں گا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا اور اس خدائے واحد پر ایمان لاؤں گا جس کی بحر و بر پر حکومت ہے جو طوفانوں کے رخ پھیر سکتا ہے ہر قسم کی مصیبت کو ٹال سکتا ہے اور جس کو اس عظیم کائنات کی لامحدود وسعتیں کہیں بھی کسی بے بس اور لاچار کی فریاد سننے سے روک نہیں سکتیں چنانچہ سلامتی سے ساحل پر آنے کے بعد انہوں نے اپنا عہد پورا کیا اور صدق دل سے مسلمان ہوئے اور بقیہ تمام عمر خدمت اسلام میں گزار دی۔

زمین اور اس کی کیفیات سے

زمین اور اس کے وسیع دامن میں پھیلے ہوئے پہاڑ بلند اور مہیب چٹانیں، کہسار، آبشار، ریگستان اور بے آب و گیاہ صحرا کی وسعتوں میں پر بہار نخلستان یہ سب آخر کس نے بنائے ہیں؟ ان کو مخصوص فاصلوں اور جغرافیائی حدود میں کس نے مقید کیا ہے؟ پھر زمین کے سینے میں معدنیات کے ذخائر کس نے چھپا رکھے ہیں؟ قدرتی گیس اور تیل کے وسیع و عریض چشے، لوہا، تانبا اور چاندی سے لے کر سونے تک قیمتی دھاتیں یہ کس کی شکتی سے وجود میں آئی ہیں؟ پھر ان میں سے ہر ایک تغیر پذیر ہے؟ پہاڑوں کو کاٹ کر راستے بنائے جاسکتے ہیں، چٹانوں کو اپنی جگہ سے اکھاڑا جاسکتا ہے، دریاؤں کے رخ بدلے جاسکتے ہیں، آج کے ریگستان کل کے نخلستان میں تبدیل ہو سکتے ہیں، بنجر زمین زرخیز کھیتوں اور پر بہار باغات سے بدلی جاسکتی ہے، زمین اور اس کی تمام خصوصیات کا وجود میں آنا کسی موجد اور خلاق کا تقاضا کرتا ہے اور زمین کے نشیب و فراز اور فاصلوں سے اس میں دریاؤں اور پہاڑوں کا وجود اور اس کے اندر مناسب مقامات پر معدنیات کا وجود بتلاتا ہے کہ یہ محض اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ ایک عظیم خلاق کی بہترین حکمتوں کا ثمرہ ہے پھر زمین اور اس کے تمام آثار اور خواص کا تغیر پذیر ہونا اور ہر زمانہ میں اس کے اندر تبدیلیوں کا واقع ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ کرہ ارضی ازلی ابدی قدیم اور لافانی نہیں ہے اور جس طرح ابتدائے اپنے وجود میں کسی موجد اور خالق کی محتاج تھی، اس طرح ہر دور میں اپنے تبدیل اور تغیر میں کسی قادر قیوم کی محتاج ہے، خلاصہ یہ ہے کہ زمین کا وجود کسی خالق کی اور اس کے عجائبات کی مناسب ترتیب کسی زبردست حکیم کی اور اس کا تغیر و تبدل کسی عظیم اور جلیل قادر قیوم کی طرف اشارہ کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس پوری کائنات میں زمین اور اس کی ان تمام خصوصیات کی تخلیق کا سوائے خدائے بزرگ و برتر کے اور کوئی دعویٰ دار نہیں ہے، زمین کے یہ تمام حقائق عجائبات اور حکیمانہ ترتیب نہ کوئی اتفاقی حادثہ ہے نہ یہ کسی انسانی وہم کے بنائے ہوئے دیوی یاد یوتا کا کارنامہ ہے اور نہ ہی یہ انسانی ہاتھوں کے تراشیدہ بتوں کی کاوش سے اور نہ ہی یہ کسی فانی انسان، بے خرد گائے اور غیر متحرک پیپل کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔ ان تمام دلائل کو دیکھتے ہوئے جس کی عقل سلیم

اور ہوش و حواس سلامت ہوں وہ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ یہ اس ذات کا کارنامہ ہے جوازی وابدی ہے واجب اور قدیم ہے جو خالق بھی ہے اور قادر بھی اور حکیم بھی ہے اور علیم ہے اور وہ ذات سوائے خدائے واحد کے اور کوئی نہیں ہے چنانچہ وہ خود فرماتا ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا﴾ [الرعد: ۳].

ترجمہ: وہ ذات ہے جس نے زمین پھیلائی اور اس میں پہاڑ نصب کئے اور دریا رواں دواں کر دیے۔
نیز فرمایا: ﴿وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ﴾ [الحجر: ۱۹].

ترجمہ: اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو قائم کیا اور اس میں ہر ایک مناسب اور موزوں چیز پیدا کی۔

اور ایک جگہ فرماتا ہے: ﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ [الزحرف: ۱۰].

ترجمہ: تمہارے لئے فرش بنایا پھر اس میں تمہارے لئے راستے بنائے تاکہ تم راہ پاسکو۔

اور فرماتا ہے: ﴿وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ﴾ [الأعراف: ۱۰].

ترجمہ: اور ہم نے تم کو زمین پر تصرف کرنے کی قدرت دی اور اس میں تمہارے رزق کا سامان فراہم کیا بہت کم لوگ ہیں جو اس کی نعمتوں کا اعتراف کر کے شکر ادا کریں۔

لیل و نہار سے

رات اور دن کا توازن (وارد ہونا) اور اختلاف، سورج کی حرکات سے وجود میں آتا ہے، سورج کی حرکت سے زمین کا جو حصہ اس کے بالمقابل ہو وہاں دن ہوتا ہے اور جب سورج حرکت طے کرتا ہوا زمین کے اس حصہ سے غروب ہو جاتا ہے تو اس حصہ میں سورج کے طلوع اور غروب سے دن اور رات کا سلسلہ قائم رہتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ سورج کو کون حرکت دے رہا ہے اور زحل، مشتری، مریخ

اور دوسرے کو اکب سیارہ میں سے دن اور رات کا سلسلہ قائم کرنے کے لئے صرف سورج کی تخصیص کس نے کی ہے؟ کسی اور سیارہ سے یہ کام کیوں نہیں لیا گیا؟ کیا سورج کی حرکت روشنی اور توانائی کا یہ سلسلہ کوئی اتفاقی حادثہ ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس میں ضبط و تسلسل اور دوام کیوں ہے اور اگر سورج از خود یہ عمل کرتا ہے تو اس جیسے دوسرے سیارگان جو فی نفسہ جسم ہونے اور متحرک رہنے میں اس جیسے ہیں وہ یہ عمل کیوں نہیں کرتے؟ پھر سورج میں روشنی، توانائی اور ایک خاص محور متواتر گردش کا نظام کس نے بنایا ہے؟ پھر یہ کس کی حکمت ہے جس نے سورج کو زمین سے ایک خاص اور مناسب فاصلہ پر ایسے مدار میں رکھا ہے کہ اگر وہ اس فاصلہ سے کسی قدر اونچا ہو تو یہ کائنات ارضی سخت ٹھنڈک سے منجمد ہو جائے اور اگر وہ اس فاصلہ سے سو میل ہی نیچے اترے آئے تو یہ تمام کائنات ارضی جل کر بھسم ہو جائے؟ سوچئے کہ سورج کا زمین سے یہ مناسب فاصلہ، ایک خاص محور پر مقررہ نظام کے تحت اس کی گردش، اس کی روشنی اور توانائی یہ کس کی قدرت اور حکمت کا کارنامہ ہے؟ کیا عقل کا اندھا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ پتھر بے جان مورتیوں، توہماتی دیوتاؤں یا انسانوں کا کام ہے جو ہزاروں سال سے اسی نظام شمسی کے تحت پیدا ہوتے ہیں اور اپنا نام و نشان چھوڑے بغیر مٹ جاتے ہیں، اس لئے یہ لوگ اگر عقل و خرد سے بالکل ہی بیگانہ نہیں ہو گئے تو جوازی، بدی واجب، قدیم، قادر اور حکیم ہے جس کے حکم سے ایک سورج ہی نہیں تمام سیارگان اپنے مقرر کردہ دائرہ عمل میں گردش کر رہے ہیں بلکہ کائنات کا ہر ذرہ اس حکیم کے تابع اور اس کے بنائے ہوئے نظام کے تحت اپنی اپنی ڈیوٹی انجام دے رہا ہے:

﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾ [یسین: ۸].

ترجمہ: سورج اپنے مرکز کے گرد گردش کرتا رہتا ہے اور اس کی یہ گردش اس زبردست حکیم کے بنائے ہوئے نظام کے مطابق ہے۔

سورج کی حرکات سے محض دن اور رات کا وجود ہی عمل میں نہیں آتا بلکہ دن اور رات کا اختلاف بھی وجود میں آتا ہے، گرمی، سردی، بہار اور خزاں یہ تمام موسم دن اور رات کے اختلاف سے رُو پذیر ہوتے ہیں اور انسانوں اور حیوانات کی جسمانی نشوونما اور مختلف فصلوں پھلوں اور پھولوں کی پیداوار

اور افزائش کے لئے موسم کا اختلاف بے حد ضروری ہے، اگر موسموں کا یہ حکیمانہ اختلاف نہ ہوتا تو نہ زمین پر فصل اگتی اور نہ باغوں میں پھول مہکتے، یہ موسمی اختلاف صرف نباتات کی بقاء کے لئے ضروری نہیں بلکہ انسان کی بقاء کے لئے بھی ضروری ہے۔

یہ کس قدر زبردست حکمت ہے کہ موسموں کا یہ اختلاف اچانک اور فوراً نہیں ہوتا بلکہ تدریجاً سردی کم ہوتی جاتی ہے اور گرمی بڑھتی جاتی ہے اگر دسمبر جنوری کی سخت سردی کے بعد اچانک مٹی، جون کی گرمی آجاتی تو اس اچانک تبدیلی سے انسان کے اعصاب پر کس قدر گہرا اثر پڑتا اور مشکل سے ہی کوئی ذی نفس زندہ رہ سکتا۔ وہ حکیم مطلق درجہ بدرجہ سردی اور گرمی کے موسم لاتا ہے تاکہ انسان ایک موسمی ماحول سے نکل کر دوسرے موسمی ماحول میں آنے کے لئے بالکل تیار ہو جائے، رات اور دن میں مکمل تضاد ہے اور دو متضاد چیزیں ہمیشہ فساد کا موجب ہوتی ہیں لیکن قدرت نے رات اور دن کے خوبصورت اور حسین تضاد میں مصالح اور منافع کی تحصیل کے لئے مکمل معاونت رکھی ہے دن بنایا تاکہ اس میں انسان ہو یا حیوان وہ اپنی معیشت کا سامان حاصل کر سکے اور رات پیدا کی تاکہ دن بھر کا تھکا ماندہ انسان ہو یا حیوان وہ رات کی آغوش میں اپنے تھکے ہوئے اعصاب کو آرام پہنچا سکے اور رات میں اس کو ایسی میٹھی اور گہری نیند عطا کی جس کے سبب اس کا تھکا ہوا ذہن سکون حاصل کر سکے فرض کیجئے یہ زمین گول نہ ہوتی اور اس پر ہمیشہ دن کا وجود مسلط رہتا تو کیا انسان کے اعصاب جواب نہ دے جاتے؟ کیا انسان کو آرام اور سکون کا کوئی لمحہ میسر ہوتا اور اگر زمین خواہ گول ہی ہوتی لیکن سورج نہ ہوتا تو اس کائنات پر ہمیشہ شب تاریک چھائی رہتی پھر کوئی ذی روح کس طرح اپنے لئے سامان معیشت حاصل کرتا؟ کھیتیاں کیسے پروان چڑھتیں اور کوئی جاندار کس طرح زندہ رہتا؟ معلوم ہوا کہ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن اور پھر ان میں کمی اور زیادتی کا تناسب اور تدریجاً اختلاف کسی ازلی اور ابدی قادر اور حکیم کی طرف اشارہ کرتا ہے:

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيَكُمْ بَلِيلٌ تَسْكُنُونَ فِيهِ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا

فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ [القصص: ۷۲، ۷۳]

ترجمہ: آپ فرمائیے: یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ قیامت تک دن قائم رکھتا تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون رات قائم کر سکتا تھا جس میں تم آرام پاتے کیا تم غور نہیں کرتے کہ یہ محض اس کی رحمت ہے جس نے رات اور دن دونوں قائم کئے تاکہ رات میں معاش تلاش کرو۔

کشتیوں سے

دریاؤں اور سمندروں کا سینہ چیرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوتے ہیں یہ سب انسانی عقل اور اس کے ہاتھوں کی تراش و خراش کا نتیجہ ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ان کی تیاری کے لئے لکڑی، لوہا اور دوسرے میٹریل کو کس نے پیدا کیا؟ بادبانی کشتیوں کو متحرک رکھنے کے لئے ہوائیں کس نے چلائیں؟ اور دخانی جہازوں کی حرکت کے لئے ایندھن کس نے پیدا کیا؟ لکڑی کی طبیعت میں یہ خاصہ کس نے رکھا کہ وہ ہزاروں ٹن بوجھ اٹھانے کے باوجود بھی سطح سمندر پر تیرتی رہتی ہے؟ لوہا اور لکڑی دونوں جسمیت میں متمائل ہیں پھر ان میں یہ فرق کس نے رکھا ہے کہ لوہا ایک تولہ بھی ہو تو پانی میں ڈوب جاتا ہے اور لکڑی ہزاروں ٹن کی بھی ہو تو سطح آب پر تیرتی رہتی ہے پھر انسانوں کے دلوں میں یہ سکون اور طمانیت کس نے رکھی ہے کہ وہ بحری سفر کے لئے بے خوف و خطر تیار ہو جاتے ہیں پھر ہر علاقہ کو کسی خاص جنس کے ساتھ کس نے خاص کیا؟ جس کی وجہ سے بحری سفر کی ضرورتیں پیش آتی ہیں اور جب غیظ و غضب سے بھرپور طوفانی لہریں اٹھتی ہیں تو ان طوفانوں سے جہازوں کو سلامتی کے ساتھ کون پار لے جاتا ہے اور جب جہاز خطرات سے گھر جاتا ہے تو مسافروں کی نگاہیں کس کی طرف اٹھتی ہیں؟ دعاؤں کے لئے ہاتھ کس کی بارگاہ میں اٹھتے ہیں؟ ہم دن رات ایسے واقعات دیکھتے ہیں لیکن ان واقعات و حوادث کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا جو ہاتھ کا فرما ہے اس کی طرف ہمارا ذہن منتقل نہیں ہوتا، نقوش اور فطرت کے عجیب و غریب کرشمے شب و روز ہمارے سامنے آتے ہیں لیکن فاطر اور نقاش کی طرف ہماری نظریں نہیں اٹھتیں، صنعت و خلقت کے بہترین نمونے ہر وقت ہمارے پیش نظر رہتے ہیں لیکن صانع اور خالق کی طرف ہم ملتفت نہیں ہوتے، اللہ تعالیٰ ہمیں

متوجہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لَتَجْرَىٰ الْفُلُكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ [الحاثیة: ۱۲]۔

ترجمہ: اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے سمندر کو تمہارے بس میں کر دیا ہے تاکہ اس کی قدرت سے اس میں کشتیاں چلیں اور تم اس ذریعہ سے ایک دوسرے سے ربط قائم رکھ سکو اور سامان معیشت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر سکو اور آقا کے اس فضل اور انعام کو دیکھ کر تمہارا دل و دماغ اس کی طرف متوجہ ہو اور تم اس کا شکر ادا کر سکو۔

ہواؤں سے

ہواؤں کا وجود انسان کے سانس لینے کا مادہ ہے اگر ایک لمحہ کے لئے بھی ہوائیں بند ہو جائیں تو انسان اور حیوان میں سے کوئی ذی روح زندہ نہ رہ سکے، انسان اپنی زندگی کی بقاء میں ہوا پانی اور خوراک کا محتاج ہے ان میں سب سے زیادہ احتیاج اور ضرورت ہوا کی ہے کیونکہ اس کے بغیر کوئی ذی روح ایک پل بھی زندہ نہیں رہ سکتا، اس کے بعد پانی کی ضرورت ہے کیونکہ خوراک کی نسبت انسان پانی کا زیادہ محتاج ہے اور ایک دودن انسان کو پینے کے لئے پانی نہ ملے تو وہ اس کے بغیر گزارہ کر سکتا ہے اور پانی کے بعد خوراک کی ضرورت ہے کیونکہ چند دن انسان کو کھانے کے لئے کچھ نہ ملے تو وہ بہر حال کسی نہ کسی طرح زندہ رہ سکتا ہے، اب آپ قدرت کے نظام پر غور کیجئے کہ انسان کو اپنی بقاء کے لئے جس کی سب سے زیادہ ضرورت تھی، جس کے بغیر وہ ایک منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتا تھا، اس کا حصول اس نے سب سے سہل اور آسان کر دیا ہے کہ انسان ہو یا حیوان وہ بغیر کسی مشقت کے ہر وقت اور ہر جگہ ہوا کو باسانی حاصل کر سکتا ہے، اس کے حصول کے لئے اس کو نہ کوئی قیمت اور ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے، نہ کسی کا زیر احسان ہونا پڑتا ہے اور پانی کی ضرورت بقاء انسانی کے لئے ہوا کی بہ نسبت کم ہے، اس کا حصول بھی اس قدر عام نہیں ہے، تاہم ایک ذی روح دن میں متعدد بار پانی پینے کی ضرورت محسوس کرتا ہے اس لئے پانی اگرچہ ہر وقت اور ہر جگہ دستیاب نہیں ہوتا تاہم اس کی متوسط ضرورت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے ایسے ذرائع پیدا کر دیئے ہیں کہ وہ بعض صورتوں میں بغیر کسی

مشقت اور قیمت کے پانی حاصل کر لیتا ہے اور بعض صورتوں میں معمولی مشقت اور قیمت سے اسے ضرورت کے مطابق پانی حاصل ہو جاتا ہے اور غذا اور خوراک کی ضرورت چونکہ ہوا اور پانی کی بہ نسبت کم ہوتی ہے اس لئے اس کو غذا وغیرہ کے حصول کے لئے بہر حال مشقت اٹھانی پڑتی ہے، اب آپ سوچئے انسانی بقاء اور اس کی ضرورت کے مطابق جس ذات نے ہوا، پانی اور خوراک کا یہ نظام بنایا ہے کیا آپ اس ذات کی عظیم حکمت اور علم کا انکار کر سکتے ہیں جو ذات ہمہ وقت اور ہر جگہ ہواؤں کے سمندر کو رواں دواں رکھتی ہے کیا اس کی بے پناہ قدرت کا انکار کیا جاسکتا ہے، انسانی ضروریات کے مطابق ہوا، پانی اور خوراک کی ترسیل کو کیا کوئی شخص ایک اتفاقی حادثہ قرار دے سکتا ہے جو شخص غورو فکر اور تدبیر سے بالکل عاری نہیں ہو گیا، اس کو بہر حال تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کائنات کے نظام کے پیچھے ایک ہستی اعلیٰ اور مطلق العنان قادر قادر حکمران کی تدبیر اور حکمت کام کر رہی ہے اور اس عظیم اور وسیع کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ اس کی حکمت اور قدرت کا منہ بولتا شاہکار ہے ہواؤں سے فقط ہم سانس ہی نہیں لیتے دریاؤں میں روانی سمندروں میں طلاطم اطراف عالم میں کھیتوں اور باغات کی نشوونما، سمندروں میں جہازوں کی آمد و رفت بادلوں کی گردش اور بارشوں کا حصول یہ تمام امور اس صناعت مطلق کی پیدا کردہ ہواؤں کے سبب سے ہیں اگر وہ چند ساعتوں کے لئے بھی ہواؤں کو چلنے سے روک دے تو ساری کائنات کا نظام معطل ہو کر رہ جائے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝ إِنَّ يَسْأَلُ يُسْكَرِ الْرِّيحِ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَالِي ظُہُرِهِ﴾ [الشوری: ۳۲، ۳۳]۔

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر نشانیوں میں سے ایک نشانی سمندروں میں رواں دواں پہاڑوں کی مانند جہاز ہیں اگر اللہ چاہے تو ہواؤں کو روک لے اور یہ جہاز سمندر میں کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔

نیز فرماتا ہے: ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَّاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَلِيُذِيقَكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلُكُ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ [الروم: ۴۶]۔

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے بعض یہ ہیں کہ وہ ایسی ہوائیں بھیجتا ہے جو تمہیں بارش کی آمد کی خوشخبری دیتی ہیں تاکہ تم اس سے حظ رحمت لے سکو اور انہی ہواؤں سے اس کے حکم سے جہاز چلتے ہیں تاکہ تم (تجارت کے ذریعہ) اللہ کا فضل ڈھونڈ سکو اور اس نعمت پر اس کا شکر ادا کر سکو۔

اللہ تعالیٰ نے ہوائیں دو قسم کی پیدا فرمائی ہیں، آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ، ہم سانس کے ذریعہ آکسیجن لیتے ہیں پھر ہمارے جسم اور خون میں جو گندے اور زہریلے مادے ہیں اور اس آکسیجن کو کاربن ڈائی آکسائیڈ میں تبدیل کر دیتے ہیں اور جب ہم سانس باہر چھوڑتے ہیں تو وہ ہوا کاربن سے بھری ہوتی ہے پھر اللہ تعالیٰ نے درختوں میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کر لیتے ہیں اور تازہ آکسیجن چھوڑتے رہتے ہیں سوچئے کہ اگر درختوں کا وجود نہ ہوتا یا درختوں میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کرنے کی خصوصیت نہ ہوتی تو یہ فضا ہمارے سانسوں کے ذریعہ چھوڑی ہوئی کاربن ڈائی آکسائیڈ سے پراگندہ ہو جاتی، سانس لینے کے لئے تازہ آکسیجن کا ملنا محال ہو جاتا اور زہریلی اور بدبودار ہواؤں میں ہم گھٹ گھٹ مر جاتے ہماری ضرورت کے مطابق درختوں میں کاربن کو جذب کرنے اور آکسیجن کو چھوڑتے رہنے کی خصوصیت کیا خود بخود پیدا ہوتی ہے یا یہ کسی اتفاقی امر کا نتیجہ ہے یا کسی جلیل الشان مدبر اور رفیع المرتبت حکیم کی عظیم ترین حکمت اور قدرت کا ثمرہ ہے اگر ہم انصاف کا خون کرنے پر آمادہ نہیں ہو گئے اور ہٹ دھرمی پر نہیں اتر آئے تو لامحالہ ہمیں کہنا پڑے گا کہ ہواؤں میں جو خصوصیات حکمتیں اور فوائد مضمحل ہیں نہ یہ کسی دیوی یا دیوتا کا کارنامہ ہے، نہ خود تراشیدہ بتوں کی کاوش ہے نہ کسی انسان کی محبت کا ثمرہ ہے سوائے اس قدیر و حکیم کے جو خلاقِ لم یزل ہے کسی اور شخص میں نہ یہ شکتی ہے کہ ہواؤں کو پیدا کر سکے اور نہ اس میں یہ طاقت ہے کہ وہ ان ہواؤں کو فضا میں رواں دواں رکھ سکے اور نہ یہ حکمت ہے کہ ان ہواؤں میں اس قسم کی خصوصیات اور فوائد مضمحل کر سکے، یہ صرف اور صرف اللہ عزوجل کی قدرت کا ثمرہ ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَّاحَ فَتُبْرِئُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ﴾ [الروم: ۴۸]

ترجمہ: اللہ ایسی ہوائیں بھیجتا ہے جو بخارات کو بادل بنا دیتی ہیں وہ ان بادلوں کو فضا میں پھیلا دیتی ہیں

بادلوں سے

بادل بخارات کا ایک مجموعہ ہیں جو مختلف مقدار حجم میں فضاء میں تیرتے پھرتے ہیں، یہ بخارات عموماً اپنے اندر پانی کو اور بسا اوقات برف اور اولوں کو اپنے اندر لئے پھرتے ہیں، اب غور کیجئے کہ پانی ہو یا برف اور اولے ان کا طبعی تقاضا اوپر سے نیچے گرنا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ کشش ثقل انہیں نیچے لانا چاہتی ہے پھر وہ کونسی طاقت ہے جو بادلوں کے اندر پانی کو جب تک چاہے روکے رکھتی ہے اور جب چاہے چھوڑ دیتی ہے معلوم ہوا کہ بارش کے ہونے یا نہ ہونے میں پانی کے طبعی تقاضا کا دخل ہے نہ کشش زمین کا بلکہ ان تمام امور پر کوئی غالب وقار ہستی ہے جو جب چاہے بادلوں سے پانی برسا دے اور جب چاہے ان سے پانی روک لے پھر اس کی قدرت کے ساتھ حکمت پر غور کیجئے کہ اگر وہ چاہتا تو تمام فضا پر بادلوں کو مسلط کر دیتا اور ہم سورج کی روشنی کو ترس جاتے اور لگا تار بارش سے فضلیں برباد ہو جاتیں، مکانات منہدم ہو جاتے اور انسان کا روئے زمین پر زندہ رہنا دشوار ہو جاتا اور اگر وہ چاہتا تو سرے سے بادلوں کا وجود نہ ہوتا لوگ تپتی ہوئی دھوپ میں سائے کو ترس جاتے کھیتیاں پروان نہ چڑھتیں اور بعض علاقوں میں پینے تک کے لئے پانی میسر نہ ہوتا پھر وہ بادلوں کو کسی ایک جگہ معلق نہیں رکھتا بلکہ ہواؤں کے ساتھ ان کو رواں دواں رکھتا ہے اور جس وقت اور جس علاقہ میں بارش کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں پانی برسا دیتا ہے۔

اب سوچئے انسانوں اور زمینوں کی ضرورت کے مطابق بادلوں کا وجود اور علاقائی ضروریات کے مطابق بادلوں کی آمد و رفت، کیا یہ سب خود بخود ہے یا کوئی اتفاقی حادثہ ہے بعض زمینوں میں پت سن پان چاول اور چائے کی کاشت ہوتی ہے جنہیں لگا تار بارشوں کی ضرورت ہوتی ہے اور بعض زمینوں میں غلہ کی دوسری اجناس کی کاشت ہوتی ہے جنہیں ایک خاص موسم میں بارش کی ضرورت ہو تی بنجر زمینوں کی ان مختلف صلاحیتوں اور مختلف جغرافیائی ضرورتوں کی مناسبت سے کہیں لگا تار اور کہیں ایک خاص وقت میں بارشیں برسانے والا کون ہے؟ ان تمام امور پر غور کیجئے اور پھر سوچئے کہ بارش کا یہ نظام کیا خود بخود چل رہا ہے یا کوئی اتفاقی حادثہ ہے یا کسی انسان موہوم دیوتا اور خود تراشیدہ

بت کی کوشش ہے یا اس قادر قیوم علام الغیوب اور قدیر وحکیم کی قدرت اور حکمت کا ثمرہ ہے جو دنیا کے تمام انسانوں کی ضروریات کا متکفل ہے جو ہر علاقہ کی ضروریات کو جانتا ہے اور ہر زمین کی کیفیت، استعداد اور صلاحیت کا علم رکھتا ہے پھر ان تمام انسانوں علاقوں اور زمینوں کی ضرورت اور صلاحیت کے مطابق بادلوں کے ذریعہ بارش نازل کرنے کا نظام قائم فرماتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ۝ لِنُحْيِيَ بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَاسِيَّ كَثِيرًا﴾ [الفرقان: ۴۸، ۴۹]۔

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ہی ایسی ہواؤں کو بھیجتا ہے جو بارانِ رحمت کی نوید دیتی ہیں اور ہم ہی نے آسمان سے بارش نازل کی تاکہ اس بارش سے ہم خشک اور ویران کھیتیوں کو سرسبز اور شاداب کر دیں اور اسی بارش سے اپنی مخلوق میں سے بہت سے جانوروں اور انسانوں کو پانی پلائیں۔

نیز فرمایا گیا ہے: ﴿وَأَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنْتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ﴾ [الحجر: ۲۲]۔

ترجمہ: اور ہم نے بادلوں سے بارش برسائے والی ہوائیں بھیجیں پھر ہم نے بادلوں سے پانی اتارنا پھر وہ پانی (نہروں اور دریاؤں کی صورت میں جمع کر کے) تم کو پلایا حالانکہ اس پانی کے نازل کرنے اور جمع کرنے میں تمہارا کوئی دخل نہ تھا۔

حرف آخر

پھولوں کے چھوٹے پودے سے لے کر چنار کے درخت تک نباتات کی بے شمار اقسام ہیں ان میں سبزیاں پھل اور پھول سب ہی کچھ ہیں، ان کی روئیدگی زمین پانی ہوا، آفتاب کی شعاعوں اور چاند کی کرنوں سے ہوتی ہے لیکن کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ ان سب کی روئیدگی کے اسباب ایک قسم کے ہونے کے باوجود ان اسباب کے آثار ایک دوسرے سے بالکل نہیں ملتے جو پانی پھولوں کو ملتا ہے وہی سبزیوں کو، جو ہوا پھولوں کو تازگی دیتی ہے وہی فصلوں کو، اس کے باوجود کوئی پھول دوسرے پھول سے، کوئی پھل دوسرے پھل سے، کوئی فصل دوسری فصل سے نہیں ملتی، آخر ان میں

فرق پیدا کرنے والا کون ہے اور مانا کہ نباتات کی روئیدگی ان اسباب سے ہے لیکن ان اسباب کا خالق کون ہے؟ افلاک کی ان بلندیوں پر جہاں انسان کے وہم کی بھی رسائی نہیں ہے وہاں کروڑوں ستارے کس نے روشن کئے ہیں، اگر ایک چراغ سے تیل ختم ہو جائے تو وہ بجھ جاتا ہے، شہر کا بجلی گھر فیل ہو جائے تو پورا شہر تاریکی میں ڈوب جاتا ہے، تو ان آسمانی روشنیوں کا انتظام کس نے کیا ہوا ہے جن کی روشنی میں آج تک کمی نہیں ہوئی؟! کیکر کے درخت میں کبھی سیب کیوں نہیں لگتا، کیوں کہ تیز کے انڈے سے کبھی کوا کیوں نہیں نکلتا، انسان سے انسان ہی کیوں پیدا ہوتا ہے، ذرہ سے لیکر آفتاب تک یہ تمام کائنات نظام واحد میں مربوط ہے، اس ربط اور نظم و ضبط کا خالق کون ہے؟ یہ دن اور رات کا تسلسل، یہ سورج کا طلوع اور غروب، یہ نباتات میں روئیدگی اور جانوروں اور انسانوں کی نسل میں باقاعدگی کا مربوط نظام، یہ نیلگوں فضا میں، یہ تاروں بھری روشن راتیں، یہ کالی گھٹائیں، یہ بلند کہسا راور سرسبز وادیاں، یہ ابلتے ہوئے چشمے اور بہتے ہوئے دریا، یہ لہلہاتے ہوئے کھیت اور اور مہکتے ہوئے باغات، کیا یہ سب کے سب خدائے واحد کے موجود ہونے کی شہادت نہیں دیتے؟ کیا اس کائنات کے نظام کی یکسانیت اور وحدت میں اس عظمت خالق کی وحدت نظر نہیں آتی اور ہمیں کہنے دیں کہ جس شخص کو اس حسین کائنات میں خدا کے حسن کا جلوہ نظر نہیں آتا اسے وہ جنت میں بھی نظر نہیں آئے گا۔